معیار: علمی و تحقیقی مجلّہ، شعبۂ اُردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد، جلد:۱، شمارہ:۲ جولائی-دسمبر ۲۰۰۹ء

# "مشرق اور مغرب کے درمیان":
## ممتاز شیریں کا ایک غیر مطبوعہ افسانہ اور اس کے تخلیقی مراحل

تنظیم الفردوس*

بیسویں صدی کے اوائل سے اُردو ادب کے بہت سے اہم نام افسانے، تراجم اور تنقید کی دنیا میں جگمگاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان ناموں میں ایک ممتاز شیریں بھی ہیں جنھوں نے ذہنوں کو تلاش و تجسس کی طرف مائل کیا، کچھ بند دروازے کھولے، کچھ نئے مباحث سے اُردو والوں کو آگاہ کیا۔ نئے لکھنے والوں کی ہمت افزائی کی، اس اعتبار سے ممتاز شیریں کی خدمات نو واردانِ ادب کی رہنمائی سے گزر کر اصناف ور جحاناتِ ادب کو وسعت بھی بخشتی ہیں۔ جدید افسانوی ادب میں تخلیقی اور تنقیدی سطح پر ممتاز شیریں نے فکشن لکھنے والے، فکشن کے قاری اور فکشن کے تنقید نگار کے بلند اور ارفع رویوں کو حسن و خوبی کے ساتھ منکشف اور ثابت کیا ہے۔ ان کے ادبی کردار کا یہ رویہ ہر عہد کے تخلیق کار اور تنقید نگار کو نئی منزلوں کے نشان فراہم کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔

انھوں نے اپنے افسانوں میں تکنیک کے تجربے سے لے کر اسالیب کی ندرت تک اردو افسانے کو نئے نئے زاویوں سے روشناس کرایا۔ ان کے افسانوں کی اہمیت محض اس لیے نہیں کہ وہ عالمی افسانے میں رونما ہونے والے جدید سے جدید تر رجحانات اور تحریکات کی عکس ریزی سے اپنے افسانوی مواد کے لیے اعلیٰ درجے کی لفظیات بروئے کار لاتی ہیں، بلکہ وہ گرد و پیش میں برپا ہونے والے مسائل و مصائب کا بھرپور ادراک بھی رکھتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ حیات و کائنات کے علاوہ وہ نفسی اور باطنی انقلابات اور تبدیلیوں کی پیش کش کی قدرت بھی رکھتی ہیں پھر متنوع موضوعات سے مربوط و منسلک مکالمے اور لہجے کی ادائیگی کا اچھا سلیقہ بھی ان کے افسانوں میں نمایاں ہے۔

اپنی زندگی کے آخری چند برسوں میں زیادہ سرگرمِ عمل نہ ہونے کے باوجود وہ کئی مسودات چھوڑ گئیں [۱]۔ کچھ نامکمل تحریریں "قند" کے ممتاز شیریں نمبر [۲] میں بھی شائع ہوئیں۔ منٹو پر نامکمل کتاب "منٹو نوری نہ ناری" [۳] اور فسادات پر ان کا مرتب کردہ افسانوی مجموعہ "ظلمت نیم روز" [۴] کراچی سے شائع ہوئے..... انگریزی افسانوں کا مجموعہ Foot Falls Echo بھی کراچی سے ۲۰۰۶ء میں شایع ہوا۔ [۵] بورس پاسترناک پر انگریزی میں ان کے کتابچے ایک مکمل کتاب کا منصوبہ معلوم ہوتے ہیں۔ ایملی برونٹے پر ان کا مطالعہ کم و بیش ایک مکمل کتاب کی صورت میں موجود ہے۔ [۶] اس عرصے میں وہ بالکل خاموش نہیں رہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ کہیں اپنی کوئی تحریر اشاعت کی غرض سے نہیں بھیجتی تھیں

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، جامعہ کراچی۔

بلکہ ''قند'' مردان کے مدیر کو اصرار کے باوجود معذرت کر لیتی ہیں اور جواز یہی تھا کہ عرصے سے لکھنا چھوڑ رکھا ہے۔اس ادبی خاموشی کی وجہ ''کفارہ'' کا شدید تجربہ ہو یا مسلسل سفر اور وطن سے مستقل دوری ہو، ''نیا دور'' کا بند ہو جانا ہو یا قریبی عزیزوں کا پے در پے فوت ہو جانا ہو۔حقیقت یہ ہے کہ یہاں قیام کے دوران انھوں نے منٹو پر دو مختصر مضامین کے علاوہ کچھ نہیں لکھا بلکہ چپ چاپ الگ تھلگ گھریلو قسم کی زندگی گزارتی رہیں ۷

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''کفارہ'' کے بعد شاید وہ اس سے بہتر کسی تخلیقی محرک کی تلاش میں ٹھہری گئیں۔لیکن اس عرصے میں وہ عزیزوں اور احباب کو خطوط ضرور لکھتی رہیں اور ''قند'' مردان میں شائع شدہ زینت جہاں کے نام خطوط ان کے تخلیقی اظہار کی صلاحیت یا فعال ہونے کا واضح ثبوت ہیں۔ بلکہ ان خطوط کے بعض حصے اعلیٰ درجے کے ادبی اسلوب کے حامل ہیں اور وہ اپنی قوت مشاہدہ کے ذریعے تجربات کی ایک وسیع دنیا دریافت کرنے میں مصروف دکھائی دیتی ہیں۔عین ممکن ہے کہ آگے چل کر تخلیقی فعالیت کا نیا مرحلہ وجود میں آتا۔لیکن ۱۹۶۷ء میں ترکی سے اسلام آباد آ کر رہائش پذیر ہونا ان کے لیے ذہنی خوشی کے بہتر لمحات مہیّا نہ کر سکا اور وہ عرصے تک عدم اطمینان کا شکار رہیں ۔

علاوہ ازیں ادبی حلقوں کی سرد مہری اور ناروا سلوک نے بھی انھیں حد درجہ بیزار کر دیا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان ہجرت کے بعد انھوں نے اس نئی اور نظریاتی مملکت سے وابستگی کا جو غیر متزلزل اعلان کیا تھا اس نے ترقی پسندوں کو ان سے ناراض کر دیا اور اس حلقے نے ادبی سطح پر ان کے مقاطعے کا اعلان کر دیا۔''نیا دور'' میں لکھنے سے انکار کیا گیا۔ان کی کتابوں کو اشاعت کی سہولت نہ مل سکی۔''ظلمتِ نیم روز'' کی ترتیب انھوں نے خلوص کے ساتھ کی اور بقول آصف فرخی اسے مخصوص نوکر شاہی ذہن کے پروردگان نے چھپنے نہیں دیا اور نہ ہی مسودہ کبھی واپس کیا گیا۔[۸] اس کے علاوہ ان کی کتابیں ''درشہوار'' [۹] اور ''پاپ کی نگری'' [۱۰] چھپنے کے باوجود مارکیٹ سے غائب کر دی گئیں۔ایسی صورت حال میں لکھنے کی تحریک، جذبہ اور جوش کیسے باقی رہ سکتا تھا۔ان ہی حالات سے نبرد آزما ہوتے ہوئے ممتاز شیریں نے کہا تھا کہ:

> ''دنیا میں عظیم ادیبوں نے حیاتِ جاوداں پائی ہے اپنی موت کے بعد بھی وہ صدیوں سے زندہ ہیں۔لیکن اپنے ملک میں کتنے ادیبوں کے بارے میں اور خصوصیت سے موجودہ دور کے کتنے ادیبوں کے بارے میں کہا جا سکتا ہے ؟ کوئی غالب و میر ہوں کوئی اقبال ہوں تو اور بات ہے۔ورنہ آج منٹو کو بھی لوگ بھولتے جا رہے ہیں۔'' [۱۱]

پڑھنے والوں کے بے حسی اور ادیب کی ناقدری کا یہ احساس ان کے ذہن میں اتنی شدت سے جاگزیں ہوا کہ اس آخری عشرے میں انھوں نے جو کچھ بھی لکھا اس میں اردو کا حصہ نہ ہونے کے برابر ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ:

> ''جس معاشرے میں ممتاز شیریں جیسی قدر اوّل کی لکھنے والی کو اپنے ''معیار'' کی طباعت کے لیے دس سال انتظار کرنا پڑے اور کئی کتابوں کی طباعت کے لیے سرے سے کوئی ناشر نہ ملے اور کسی کتاب کا معاوضہ مل جانے کے باوجود وہ کتاب شائع نہ ہو سکے تو ایسے معاشرے میں لکھنے والوں کو لکھتے رہنے کی تحریک کیوں کر ہو۔'' [۱۲]

لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کے اندر کی فن کار عورت آخری لمحے تک زندہ رہی اور اس نے تسکین اظہار کے لیے ہم مذاق ساتھیوں کی محدود نشستوں اور چند بے تکلف دوستوں اور عزیزوں سے خط و کتابت ہی کو اپنا تخلیقی مرکز بنا لیا۔

یورپ کے بعض ممالک کا سفر انھوں نے دو مرتبہ کیا۔پہلی مرتبہ ۱۹۵۴ء میں وہ ایک سال کے لیے لندن گئیں اور واپسی پر اٹلی کی سیاحت بھی کی۔۱۸ اکتوبر ۱۹۶۶ء کو ترکی سے زینت جہاں کو لکھے گئے ایک خط میں انھوں نے اپنے دوسرے سفرِ یورپ کی تفصیل بیان کی ہے اور

ایک مربوط اور مکمل سفر نامہ لکھنے کی اپنی خواہش کا اظہار بھی کیا ہے۔ہمیں ان کے انتقال کے بعد مکمل یا زیرِ تکمیل منصوبوں میں کوئی سفر نامہ تو نہیں مل سکا لیکن ان کا ہاتھ سے لکھا ہوا ''مشرق اور مغرب کے درمیان'' کے عنوان سے ایک افسانے کا خام مسودہ کافی اہمیت کا حامل ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ''کفارہ'' کے بعد انھوں نے کوئی افسانہ نہیں لکھا۔زیرِ نظر افسانہ اگر ۱۹۶۶ء میں کیے گئے سفر کے بعد لکھا گیا تو اس کی اہمیت یوں بڑھ جاتی ہے کہ ''کفارہ'' کی تخلیق کے بعد ان کا یہ آخری افسانہ ثابت ہوتا ہے۔

اس بات سے قطع نظر کہ اس افسانے کا عرصۂ تشکیل کیا ہے، اپنے موضوع اور اٹھان میں اسلوب کی دلکشی کے باعث یہ اس قابل ہے کہ ممتاز شیریں کے افسانوی فن پر گفتگو کرتے ہوئے اسے پیشِ نظر رکھا جائے۔مسودہ خام حالت میں ان کی اپنی تحریر میں موجود ہے۔مسودے میں A-4 سائز کے سات ۷ صفحات ہیں جن میں سے پانچ صفحات کے دونوں جانب تحریر موجود ہے جب کہ دو صفحات پر صرف ایک جانب تحریر لکھی گئی ہے۔صفحات پر نمبروں کی ترتیب ہر دو یا تین صفحے کے بعد بدل جاتی ہے۔لیکن یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ساڑھے چار صفحات کی تحریر میں ایک مکمل افسانے کی تشکیل ہو رہی ہے۔ایک سادہ صفحے پر چند جملے الگ لکھے گئے ہیں۔اس کے بعد وہ چند سادہ صفحات پر یہ افسانہ صاف کر کے لکھنا شروع کرتی ہیں لیکن صرف تین صفحے ہی صاف کرنے کے بعد چھوڑ دیتی ہیں۔(ان تینوں حصوں کو الگ الگ ''مسودہ نمبر ۱، ۲ اور ۳'' کا نام دے کر یہاں قارئینِ ادب کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔) ان تینوں حصوں کو تسلسل دیتے ہوئے ایک مکمل افسانے کی مربوط صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نئے افسانے اور تکنیک کے تنوع پر ممتاز شیریں کی تنقیدی رائے سب کے سامنے ہے۔وہ نہ صرف عالمی افسانے کے وقیع مطالعے کے ذریعے اس ضمن میں اپنی مستحکم رائے ''تکنیک کا تنوع'' جیسے مضامین میں پیش کر چکی ہیں بلکہ اپنے افسانوی فن کی پیش کش میں بھی مختلف تکنیکوں کو بھرپور انداز میں استعمال کرتی رہیں۔ ان کے خیال میں تکنیک کے برتاؤ میں ''افسانے کے آغاز اور انجام کو بھی بڑا دخل ہے''۔[۱۳] ان کا کہنا ہے کہ کبھی کبھی افسانے میں آغاز ہی اتنا مکمل اور بھرپور ہوتا ہے کہ قاری کو ایک مکمل افسانے کا سا لطف ملتا ہے، کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ فنکار ابتدائی چند جملوں میں تمام اہم کرداروں اور آنے والے واقعات کی گویا جھلک دکھا کر قاری کو تجسس میں مبتلا کر دیتا ہے۔جب کہ بعض افسانوں کے آغاز شیریں کے خیال میں ''اتنے جاذبِ نظر ہوتے ہیں کہ چلنے والے کا دامن پکڑ کر ٹھہرا لیں''۔[۱۴] زیرِ نظر افسانے کے ابتدائی چند جملے بھی قاری کی ایسی ہی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں کہ وہ آگے چلے بغیر نہیں رہ سکتا۔جب وہ لکھتی ہیں؛

''رات گہری ہو چلی تھی،

فضا میں ایک بھاری سیٹی کی آواز گونج اٹھی۔ساکت جہاز میں ایک تھرتھراہٹ سی پیدا ہوئی اور یہ مرمریں، شفاف، حسین اطالوی جہاز میڈیٹرینین (بحیرۂ روم) کے گہرے نیلے پانیوں کو کاٹتا ہوا نکل گیا۔

جہاز اس سرزمین کو چھوڑ رہا تھا جسے 'مغرب' کہتے ہیں، اور سوئے مشرق روانہ ہو رہا تھا۔''مشرق'' اور ''مغرب'' یہ دو الفاظ سمت کا اشارہ کرنے کے علاوہ اور کتنے معنوں کے حامل بن گئے ہیں۔تہذیب اور تمدن کا امتیاز.....صدیوں کی آقائی اور غلامی.....

لیکن یہ اطالیہ تھا، اطالیہ جو یوں تو مغرب کا دروازہ ہے، لیکن مشرق سے کہیں زیادہ قریب۔اطالیہ جہاں مغربی ممالک میں گھوم پھر کر آئیں تو اچانک یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم پھر مشرق میں آ گئے ہیں۔ ''

خام مسودے کو جیسے جیسے وہ صاف کرتی چلی جاتی ہیں ویسے ویسے ان کا قلم ایک غیر معمولی روانی سے آگے بڑھتا ہوا محسوس ہوتا

ہے۔اس سے پہلے جن مقامات پر وہ محض اشاروں سے کام لیتی ہوئی آگے بڑھی تھیں حتمی طور پر وہاں تفاصیل و جزئیات کا اضافہ کرتے ہوئے آگے بڑھتی جاتی ہیں۔ ابتدائی مسودے میں بعض الفاظ کا املا مختلف ہے مثلاً پہلے مسودے میں ''پامپئی'' اور دوسرے میں ''پامپی آئی'' (دونوں مسودوں کا اختلاف حواشی میں درج کر دیا گیا ہے)۔لفظوں کے انتخاب میں شیریں غیر معمولی انتخابیت کا مظاہرہ کرتی ہیں۔وہ کرداروں کی شخصیت اور نفسیات کے مطابق مکالمے ادا کرواتی ہیں لہٰذا ایک جگہ وہ للتا کے منہ سے ''اللہ'' کا لفظ ادا کروانے کے بجائے بھگوان کہلوانا زیادہ مناسب سمجھتی ہیں۔ایک مقام پر جب للتا اپنی اس اجنبی سہیلی سے بچھڑنے کو تیار تھی،اس وقت اس کے مکالمے کردار کے داخلی جذبات کی ترجمانی کے ساتھ اس کی خارجی شخصیت کا اظہار بھی ہیں۔

ممتاز شیریں کے افسانوی اسلوب کے بارے میں کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ اپنی بے پناہ قابلیت کے اظہار سے اپنے بعض بہت اچھے افسانوں کا تاثر خراب کر دیتی ہیں جب کہ یہ رائے بھی سامنے آئی کہ ان کے افسانوں کے موضوع اساطیری اور پلاٹ کا تانا بانا پیچیدہ ہونے کی بنا پر یہ گنجلک پیدا ہونا غیر معمولی بات نہیں۔یہاں ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ دونوں میں سے کون سی رائے درست ہے۔لیکن ہمارے اس خیال سے اہلِ ذوق کو یقیناً اتفاق ہوگا کہ ایک تخلیق کار مسلسل ارتقا کے مرحلے سے گزر کر ہی کمالِ فن کے درجے تک پہنچتا ہے۔اس بات سے یہ مطلب نہ نکالا جائے کہ ممتاز شیریں کو باکمال افسانہ نگاروں کی صف میں جگہ دینے کی کوشش کی جارہی ہے، لیکن یہ سوچنے کی بات ہے کہ کیا ہم شیریں کو اردو کے اہم افسانہ نگاروں میں شامل کیے بغیر اردو افسانے کے فنی اور تکنیکی ارتقاء کو سمجھنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں؟

تخلیق کار اپنی فنی زندگی میں مسلسل اسلوب کی تلاش کے عمل سے گزرتا ہے۔بقول محمد حسن عسکری ہمارے یہاں اسالیبِ بیان کو فروعی اور معمولی چیز ہی سمجھا گیا ہے جب کہ اس کی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی کہ تجربے کی۔اسلوب کی تشکیل کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں ''بعض اوقات داخلی تجربے اپنے لیے اسلوب بیان پیدا کرتے ہیں، وہاں بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اسلوبِ بیان پیدا ہو گیا تو وہ نئے تجربوں کو وجود میں لاتا ہے۔'' [۱۵]

ممتاز شیریں بھی اسی تخلیقی عمل کے راستے دم لینے کو ٹھہر سی گئیں، آگے چلنے کی مہلت انھیں پہلے شدید بیماری اور پھر موت نے نہ دی؛لیکن جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے وہ اپنے تخلیقی سفر میں اسلوبِ تازہ کی جستجو میں تھیں جو ان کے بعض خطوط سے ظاہر ہے۔زیرِ نظر افسانہ بھی اسلوبِ تازہ اور تجربے کے تنوع کی ماہرانہ بنت سے وجود میں آیا ہے۔تکنیک کے جس تنوع کو وہ افسانہ نگار اور فن کی حیاتِ ابدی کا سبب جانتی ہیں اس کے لیے حقیقی فن کار کا ہونا لازم ہے۔ایک مقام پر شیریں کی ایک رائے کا اثبات کرتے ہوئے عسکری نے کہا تھا ''اگر آدمی کام لے سکے تو ہر تکنیک جائز ورنہ ہر تکنیک ناجائز''۔ [۱۶]

اب آپ ''مشرق و مغرب کے درمیان'' پڑھیے اور دیکھیے کہ ممتاز شیریں نے ''آئینہ'' سے ''میگھ ملہار'' اور ''کفارہ'' تک کے فنی سفر سے جو کچھ سیکھا اور حاصل کیا تھا اسے اپنے افسانوی فن میں برتنے کے کس ہنر سے کام لیا ہے۔

## مشرق و مغرب کے درمیان

رات گہری ہو چلی تھی،

فضا میں ایک بھاری سیٹی کی آواز گونج اُٹھی۔ساکت جہاز میں ایک حرکت،ایک تھرتھراہٹ سی پیدا ہوئی اور یہ مرمریں،شفاف،حسین اطالوی

جہاز میڈیٹرینین۲ کے گہرے نیلے پانیوں کو کاٹتا ہوا نکل گیا۔
جہاز اس سرزمین کو چھوڑ رہا تھا جسے ''مغرب'' کہتے ہیں، اور ''سوئے مشرق'' روانہ ہو رہا تھا۔ ''مشرق'' اور ''مغرب'' یہ دو الفاظ سمت کا اشارہ کرنے کے علاوہ اور کتنے معنوں کے حامل بن گئے ہیں۔ تہذیب اور تمدن کا امتیاز، رنگ و نسل کا امتیاز.....صدیوں کی آقائی اور غلامی.....
لیکن یہ اطالیہ تھا، اطالیہ جو یوں تو مغرب کا دروازہ ہے، لیکن مشرق سے کہیں زیادہ قریب۔ اطالیہ جہاں مغربی ممالک میں گھوم پھر کر آئیں تو اچانک یوں محسوس ہوتا ہے ہم پھر مشرق میں آ گئے ہیں۔
ہم سب عرشہ پر کھڑے ہاتھ ہلا ہلا کر گویا نیپلز کو الوداع کہہ رہے تھے۔ نیپلز، ناپولی، ''نہایت گندہ، لیکن نہایت دلچسپ شہر'' جیسا کہ ایک اطالوی نے جو ہمارے ساتھ پیرس تک سفر کر رہا تھا، ہمیں بتایا تھا۔ اور یہ مختصر الفاظ میں نیپلز کی بڑی موزوں تعریف تھی۔ ''گندہ لیکن نہایت دلچسپ'' مشرق کی طرح جو مغربیوں کی نظر میں تہذیبی لحاظ سے پیچھے ہے، گندہ ہے، لیکن دلچسپ، رومانوی اور Exotic۔
مجھے ایک کہاوت یاد آئی ''See Naples and die'' اب کہ میں نیپلز دیکھ چکی تھی، مجھے مرنے کے لیے گویا بالکل تیار ہو جانا چاہیے تھا! آخر نیپلز میں ایسی کیا بات تھی کہ مرنے سے پہلے ایک دفعہ دیکھنے کی امنگ ہو؟
ساحل پر روشنیوں کی قطار آہستہ آہستہ پیچھے ہوتی جا رہی تھی۔ نیپلز کی خوبصورت خلیج، پامپئی، سورنتو، کاپری سب پیچھے رہ گئے تھے۔
آتش فشاں ویسویس، اور ویسویس کے دامن میں پامپی آئی کے وہ قدیم عظیم الشان کھنڈرات جو تقریباً دو ہزار سال پہلے کی ایک عظیم تہذیب کا پتہ دیتے تھے، جسے بپھرے ہوئے ویسویس کی اگلی ہوئی آگ اور گرم گرم لاوے نے آن کی آن میں فنا کر دیا تھا۔
وہ ایک چنگھاڑتی آتشیں!
کیا تم نے نہیں دیکھا تمھارے رب نے قومِ عاد کے ساتھ کیا کیا، جو ارم کہلاتے تھے، اور اتنے دراز قد کہ تمام ملکوں میں ایسے پیدا نہیں ہوئے۔ اور قومِ ثمود کے ساتھ کیا کیا جو وادیٔ قریٰ میں پتھر تراش کر مکان بناتے تھے..... [1] (سورۂ فجر)

پامپی آئی کے پتھر میں تراشے ہوئے بڑے بڑے اَمفی تھیٹر، amphitheaters، جو پیٹر کا شاندار مندر، بڑے بڑے ستونوں اور کالموں والے محل اور گھر، وہ پبلک حمام جو ایک تہذیب کی خاص یادگار تھے، وہ صحن، وہ فوارے، وہ خوابگاہیں جن میں دادِ عیش دی جاتی تھی، جن کی آرائش فحش مجسموں اور فحش تصویروں سے کی گئی تھی، جن میں بت تراشوں اور مصوروں نے جنسی عوامل کو کھلے طور پر نمایاں کرنے میں گویا ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی تھی!
(اور ان خوابگاہوں کو دیکھ کر میں نے سوچا:
دنیا کی بڑی بڑی تہذیبیں جب اس دور پر آ جاتی ہیں جس میں عیاشی کا دور دورہ ہوتا ہے تو ان کا فنا ہو جانا یقینی ہے۔)
ہمیں سوگئے داستاں کہتے کہتے۔
کسی امیر کی [4] شبستانِ عیش میں دو لاشیں ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی تھیں۔ اسی حالت میں موت نے انھیں آن لیا تھا۔ ایک حاملہ عورت جس کا حمل کافی بڑھا ہوا تھا گھٹنوں کو اوپر اٹھائے گویا اپنے پیٹ کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی اور مارے خوف کے اس نے بازو سے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ایک کتے کا جسم موت کی بے پناہ اذیت سے بے طرح ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ اور ایک سپاہی اکڑوں بیٹھے بیٹھے مر گیا تھا۔ یہ ایک نہایت کڑیل، قوی ہیکل جوان تھا، جو شاید جنگ میں تلوار اور نیزے کے آگے سینہ سپر ہو کر آگے بڑھتا، لیکن اس آگے بڑھتے ہوئے آتشیں خدائی قہر

سے اتنا خوف زدہ ہو گیا تھا کہ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔
جمے ہوئے پلاستر میں ثابت رکھی گئی یہ لاشیں ایک عبرتناک داستاں کہتی تھیں۔
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے!
تنور سے اتاری ہوئی روٹیاں پلیٹوں میں ویسی کی ویسی جل کر کوئلہ بن گئی تھیں۔کنستروں اور بوریوں میں گیہوں اور اناج کے دانے خاکِ سیاہ رہ گئے تھے۔روزمرہ زندگی کی ان چھوٹی چھوٹی چیزوں میں پامپئی آئی کی ٹریجڈی اور بھی پرسوز، دردانگیز اور عبرتناک معلوم ہوتی تھی!.....
ڈیک پر ہم سب سے الگ تھلگ کھڑے تھے للتا اور میں۔اور اس سرزمین کو الوداع کہہ رہے تھے جسے مغرب کہتے ہیں۔ہم دونوں کے محسوسات میں اس وقت بڑا فرق تھا۔للتا کے پتلے زرد چہرے پر اداسی اور بے چینی نمایاں تھی اس نے اپنی ساری عمر یوروپ میں بتائی تھی اور اسے دکھ ہو رہا تھا کہ اب وہ اسے چھوڑ کر جا رہی ہے۔میں بھی اداس ضرور تھی، اس لیے نہیں کہ اس سرزمین کو چھوڑ رہی ہوں، بلکہ اس لیے کہ وہاں کسی کو چھوڑ آئی ہوں لیکن مجھے ایک اطمینان اور خوشی بھی تھی کہ اپنے وطن کو لوٹ رہی ہوں۔اس وقت میں دو متضاد کیفیات سے دوچار تھی، جانے ہم کتنی دیر تک یوں ہی خاموش عرشہ پر کھڑے رہے، یہاں تک کہ سارے مسافر اپنے اپنے کیبنوں میں جا چکے اور ہم اکیلے رہ گئے تھے۔
گہرا نیلا سمندر، گہرے نیلے غار (Grottos)، مشرق کا سا بہت ہی [16] (اس جملے کے نیچے یہ لکھ کر کاٹ دیا گیا ہے: ''اور مغربی ممالک کے مقابلے میں بہت ہی) صاف، ہر طرف پھیلی ہوئی وہ نیلاہٹ جسے اطالوی بڑے فخر سے ''آژورے'' Azure کا نام دیتے ہیں، وہ حسین مکمل نیلاہٹ! آژورے!.....
اس مکمل خاموشی میں ایک اعلان کی آواز گونجی۔''کل صبح آٹھ بجے ہم خاکنائے سینا سے گزریں گے.....کل صبح ہم آٹھ بجے ہم خاکنائے سینا سے گزریں گے''۔
اور للتا نے چونک کر کہا۔''چلو اب چل کر سو رہیں۔صبح جلدی اٹھیں گے اور شاور کر کے ڈریس کرنے کے بعد سیدھے ڈیک پر چلے آئیں گے۔ورنہ ہم ایک بڑا اچھا منظر مس کر دیں گے۔خاکنائے سینا اتنی تنگ ہے کہ جہاز دونوں سروں پر زمین کو چھوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔''
''اچھا پھر سونے کی تیاری کریں'' ہم دونوں نیچے اپنے کیبن میں چلے آئے۔.....
سامان کے کمرے میں سارے ٹرنک اوپر تلے یوں رکھے ہوئے تھے کہ ہمیں اپنے اپنے ٹرنک ڈھونڈ کر نکالنے میں ایک مہم سر کرنی پڑی۔۱۷ میں نے شب خوابی کے لباس نکالے اور للتا حسبِ معمول باتھ روم میں گھس گئی۔نہانے کا اسے بس جنون تھا، دن میں تین دفعہ نہاتی تھی.....صبح اٹھ کر شاور کرے گی، شام کو پھر کھانے سے پہلے پھر رات کو بھی نہائے گی.....
شاور کر کے نکھری نکھرائی سفید براق نائلون کا نائٹ گون پہنے باہر آئی۔للتا یوں تو بہت دبلی پتلی تھی، لیکن شب خوابی کے لباس میں اس کا جسم کافی متناسب معلوم ہو رہا تھا اور بغیر آستین کے برف کے سے سفید گاؤن میں اس کی سڈول چمپئی باہیں بڑی اچھی لگ رہی تھیں۔
''ارے تم ابھی تک نہیں سوئیں''۔اپنے برتھ پر لیٹتے ہوئے اس نے پوچھا۔''اچھا بھئی، تم ایلیٹ اور ٹمین سے بیٹھی الجھتی رہو۔ہم تو ابھی اپنے سپنوں کی نگری میں چلے جاتے ہیں''۔
میں نے ہنس کر کتاب بند کر دی۔اور لحاف اوڑھ کر لیٹ رہی۔
''گڈ نائٹ، سویٹ ڈریمز! دوسرے برتھ سے للتا کی شوخ آواز آئی۔

''بوناناتے، ہمارے جہاز کے اطالوی میز بانوں کے اعزاز میں! بوناناتے!''میں نے جواب دیا۔
میرے اطالوی زبان میں شب بخیر کا جواب اس نے فوراً فرانسیسی میں دیا۔'' بَون نُوتی''
میں نے لحاف میں سے سر نکال کر ایک اور جواب جڑ دیا۔''خٹے ناخت، سلاپ ساخت'' وہ بالکل بوکھلا گئی اس سے کسی اور زبان میں اس کا جواب دیتے نہ بن پڑا۔
''باپ رے باپ یہ کون سی زبان ہے''؟
''ڈچ ہے ڈچ، بڑی بوالعجب، کرخت زبان جس کے تقریباً ہر لفظ میں خ اور ٹ موجود ہوتا ہے۔ خٹے ناخت، سلاپ ساخت کے معنی ہیں گڈ نائٹ، سلیپ ویل''
''خٹے ناخت، سلاپ ساخت'' وہ ان الفاظ کو دہرا کر ہنستی رہی۔
اور ایک لطیفہ سنو گی للت؟ کہتے ہیں کہ کوئی انگریزی ادیب صاحب ڈچ لوگوں کو آپس میں باتیں کرتے بڑی دلچسپی سے سنتے رہے اور پھر ارشاد فرمایا۔''بخدا کیا عجیب وغریب زبان۔ میرا خیال ہے اگر جوئس نے یہ زبان سیکھی ہوتی تو انھیں''فینیگنس وَیک'' [۲۰] کے لیے ایک نئی زبان تخلیق کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ یہ جوئس پر بھی گویا ایک طنز تھا۔ معلوم ہوتا ہے جوئس کی کتاب ان ادیب صاحب کے پلے نہ پڑی''۔
جلدی سونے کا ارادہ کر کے بھی ہم اپنے اپنے برتھوں پر لیٹے باتیں کرتے رہے۔ ایک اچھی ساتھی کی معیت میں سفر کتنی اچھی طرح کٹ جاتا ہے، للتا سی ساتھی پا کر مجھے اس کا شدید احساس ہوا۔ جانے ہم کیسے ایک دوسرے جلد گھل مل گئے تھے، حالاں کہ للتا اور میں دونوں دوستی کرنے کے معاملے میں بڑے fastidious واقع ہوئے تھے۔ لیکن اس تھوڑے سے عرصے میں ہم ایک دوسرے سے ایک عجیب سی یگانگت محسوس کرنے لگے تھے۔.....
باگیسوری کا درد فضا میں گھل گیا۔
للت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور یہ مجھ سے بے اختیار لپٹ کر رو پڑی..... یہ باگیسوری نہیں ہے۔ باگیسوری کا تو اپنا ایک سمے ہوتا ہے۔ جب رات بہت گہری ہو جائے، بہت گہری، اس سمے باگیسوری کی تانیں ایک عجب تاثر پیدا کرتی ہیں۔ لیکن اب دونوں سکھیاں بچھڑ رہی ہیں اس لیے اس سمے یہ راگ موزوں ہے۔۔
باگیسوری، باگیسوری کا درد فضا میں گھل گیا۔ للت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
''اتنے چھوٹے سے عرصے میں ہم دونوں ایک دوسرے کے کتنا قریب ہو گئے، گویا ہم جنم جنم سے ایک دوجے کو جانتے ہوں۔ جانے من کہاں کہاں اور کیسے کیسے مل جاتے ہیں۔ اور تم سے جدا ہوتے ہوئے مجھے یوں لگ رہا ہے گویا میں اپنی کسی بہت ہی پرانی بہت ہی پیاری سہیلی سے بچھڑ رہی ہوں۔ مجھے بھول تو نہیں جاؤ گی نا؟ خطوط لکھتی رہو گی نا۔ اور جب ہندوستان آؤ گی تو پھر میرے ہاں ضرور آؤ گی ورنہ.....شاید اس وقت میں میرٹھ میں اپنے ابا کی کمشنر کی کوٹھی میں نہ ہوں گی۔ شاید میں دلی میں ہوں گی۔ اور میرا اپنا ایک چھوٹا سا فلیٹ ہو گا جسے میں اپنے ذوق کے مطابق سجاؤں گی۔ اس میں میری پسند کی ساری چیزیں ہوں گی۔ یہ سارے دیوانے کیوریوز، جو میں نے یورپ میں جمع کیے ہیں، یہ مجسمے، یہ ریمبراں، سیزانے، ماتیس اور خاخ کی تصویروں کے ریپروڈکشنز۔ ایلیٹ کی کتابیں، جس میں تمھاری دی ہوئی یہ کتاب بھی ہو گی۔ یہ کتاب تو اب میرے لیے بہت قیمتی بن گئی ہے کیوں کہ یہ تمھارا تحفہ ہے "Murder in Cathedral" کی ادبی قیمت ویسے ہی کیا کم ہے؟ اور پھر

اپنی سائیکالوجی اور فلاسفی کی کتابیں۔ ریڈیوگرام اور میرے ریکارڈ.....موسیقی.....بیتھوون کی سمفنیاں!
لیکن آج تو میں اپنی موسیقی سننا چاہتی ہوں۔ اپنے دیس کا گیت!
کیا سنیے گا؟ نٹ بہاگ کا خیال؟
جھن جھن جھن جھن پا.....
نل موری باجے، جھن جھن جھن جھن پا.....
راگ مالکوس؟
لٹ الجھی سلجھا جارے بالم،
لٹ الجھی سلجھا.....
دلہن ہے بیٹھی سجی،
ہاتھوں میں مہندی رچی،
لٹ الجھی، سلجھا.....
جے جے ونتی
یا پھر وہ جو آپ ہی کا نام ہے، للت؟
اُف ہماری موسیقی بھی کتنی rich، کتنی اعلیٰ، کتنی مدہوش کُن ہے۔ یہ روح کو چھوتی ہے، اب تو میں اپنے سنگیت میں کھو جاؤں گی.....ایک سادہ گیت کے بول نہایت درد بھری آواز میں ابھرے۔
میں پاگل، میرا منوا پاگل، پاگل موری پریت رے،
میں پاگل،.....
پاگل کی ہنسی اڑائے،
یہ دنیا کی ریت رے.....
میں پاگل، میرا منوا پاگل،
پاگل میری پیت رے.....میں پاگل۔
میں پاگل، میرا منوا پاگل، پاگل میری پریت رے.....
اپنی موسیقی، اپنے سنگیت کے لیے للتا بے قرار ہو اُٹھی تھی۔.....
اور کچھ ہی دن کی تو بات تھی، یہی للتا اپنے سامنے ڈھیر سارے ریکارڈ پھیلائے بیٹھی تھی، حیران و پریشان کہ انھیں کسٹمز سے وہ کیسے گذار سکے گی۔ حالانکہ یہ سارے ریکارڈ پرانے تھے جو اس نے اپنے یورپ کے اس دورانِ قیام میں خریدے تھے۔ کسٹمز کے لیے فارم بھرتی کرتے ہوئے وہ اچانک گھبرا گئی۔ ''ہائے بھگوان! میرے ریکارڈوں کا پھر کیا ہوگا''۔
جہاز کے اطالوی ملازموں کو بلوا کر اس نے ایک بہت بڑا آہنی ٹرنک کھلوایا جو مضبوط رسوں سے بندھا ہوا تھا۔ اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ سارے ٹرنک میں ریکارڈ ہی ریکارڈ بھرے ہوئے تھے۔ ''میں نے ایک ترکیب نکالی ہے سنو شیری، اوما، ان سب پر جلدی سے اپنا نام لکھتی

جاؤ''۔ پھر میں نے اور اوما نے سارے ریکارڈ نکال کر اپنے سامنے پھیلا لیے۔ اور کچھ ریکارڈوں پر میں آکسفورڈ کی کوئی تاریخ لکھ کر اپنا دستخط کرتی گئی اور کچھ ریکارڈوں پر اوما لندن سے کوئی اور تاریخ دے کر اپنا نام لکھتی رہی۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ یہ ریکارڈ آکسفورڈ اور لندن سے میں نے اور اوما نے تحفتاً اسے کیمبرج بھجوائے تھے۔

میں ایک ایک ریکارڈ لے کر اپنا نام لکھتی گئی۔ بیتھوون کی سمفنیاں، شوپان اور ویگنر کے نغمے، اوپراز، بیلڈز، فوک سونگس، افوہ للتا تو اپنے ساتھ ساری مغربی موسیقی سمیٹ لائی تھی۔

اور جہاز نے مشرق کی سرزمین کو ابھی چھوا ہی تھا کہ وہ تڑپ اٹھی ''میں تو آج اپنا سنگیت سنوں گی۔ اپنی موسیقی!''.....

للتا سیر داسنی، میری دوست، کیمبرج کی لڑکی تھی اور وہاں سے سائیکالوجی اور فلاسفی میں ٹرائی پاس کر کے واپس لوٹ رہی تھی۔.....

وہ اطالوی حسینائیں جن میں سے ہر ایک کروز اور کانٹوز کے اعتبار سے ایک سلوانا منگانو، جینا لولو برجیدا اور گیانا رایا کینیل اور صوفیہ لورین تھی۔ گویا ان میں سے ہر ایک یہ کہتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

And Pooh to Manganoo

I am so much move Italiano.

Rosana Podosta is only a second besta,

Giania Maria Cannale has reaches her finale

And Lolobrigida is so much frigida!

کیپری، جزیرۂ کیپری اور شاہ فاروق، شاہ فاروق اور کیپری!

It was in the Isle of Capri that I found her .....

میں نے اسے کیپری کے جزیرے میں پایا تھا.....

وہ ایک گلاب کی طرح حسین اور شیریں تھی.....

..... ..... ..... .....

اور پھر، اور پھر میں نے دیکھا اس کی انگلی میں شادی کی ایک انگوٹھی تھی.....

☆☆☆

## مسودہ نمبر ایک

رات گہری ہو چلی تھی، ا

فضا میں ایک بھاری سیٹی کی آواز گونج اُٹھی۔ ساکت جہاز میں ایک حرکت، ایک تھرتھراہٹ سی پیدا ہوئی اور یہ مرمریں، شفاف، حسین اطالوی جہاز میڈیٹرینین ۲ کے گہرے نیلے پانیوں کو کاٹتا ہوا نکل گیا۔

جہاز اس سرزمین کو چھوڑ رہا تھا جسے ''مغرب'' کہتے ہیں، اور ''سوئے مشرق'' روانہ ہو رہا تھا۔ ''مشرق'' اور ''مغرب'' یہ دو الفاظ سمت کا اشارہ کرنے کے علاوہ اور کتنے معنوں کے حامل بن گئے ہیں۔ تہذیب اور تمدن کا امتیاز، رنگ و نسل کا امتیاز.....صدیوں کی آقائی اور غلامی.....

لیکن یہ اطالیہ تھا، اطالیہ جو یوں تو مغرب کا دروازہ ہے، لیکن مشرق سے کہیں زیادہ قریب۔ اطالیہ جہاں مغربی ممالک میں گھوم پھر کر آئیں تو اچانک یوں محسوس ہوتا ہے ہم پھر مشرق میں آ گئے ہیں۔

ہم سب عرشہ پر کھڑے ہاتھ ہلا ہلا کر گویا نیپلز کو الوداع کہہ رہے تھے۔ نیپلز، ناپولی، ''نہایت گندہ، لیکن نہایت دلچسپ شہر'' جیسا کہ ایک اطالوی نے جو ہمارے ساتھ پیرس تک سفر کر رہا تھا، ہمیں بتایا تھا۔ اور یہ مختصر الفاظ میں نیپلز کی بڑی موزوں تعریف تھی۔ ''گندہ لیکن نہایت دلچسپ'' مشرق کی طرح جو مغربیوں کی نظر میں تہذیبی لحاظ سے پیچھے ہے، گندہ ہے، لیکن دلچسپ، رومانوی اور Exotic۔

مجھے ایک کہاوت یاد آئی ''See Naples and die'' اب کہ میں نیپلز دیکھ چکی تھی، مجھے مرنے کے لیے گویا بالکل تیار ہو جانا چاہیے تھا! آخر نیپلز میں ایسی کیا بات تھی کہ مرنے سے پہلے ایک دفعہ دیکھنے کی امنگ ہو؟

ساحل پر روشنیوں کی قطار آہستہ آہستہ پیچھے ہوتی جا رہی تھی۔ نیپلز کی خوبصورت خلیج، پامپئی [۲]، سورنتو، کاپری سب پیچھے رہ گئے تھے۔

آتش فشاں ویسویس، اور ویسویس کے دامن میں پامپی آئی کے وہ قدیم عظیم الشان کھنڈرات جو تقریباً دو ہزار سال پہلے کی ایک عظیم تہذیب کا پتہ دیتے تھے، جسے بپھرے ہوئے ویسویس کی اگلی ہوئی آگ اور گرم گرم لاوے نے آن کی آن میں فنا کر دیا تھا۔

وہ ایک چنگھاڑتی آتشیں!

کیا تم نے نہیں دیکھا تمھارے رب نے قومِ عاد کے ساتھ کیا کیا، جو ارم کہلاتے تھے، اور اتنے دراز قد کہ تمام ملکوں میں ایسے پیدا نہیں ہوئے۔ اور قومِ ثمود کے ساتھ کیا کیا جو وادیٔ قریٰ میں پتھر تراش کر مکان بناتے تھے..... (اِسورۂ فجر)

پامپی آئی کے پتھر میں تراشے ہوئے بڑے بڑے اَمفی تھیٹر، amphitheaters، جو پیٹر کا شاندار مندر، بڑے بڑے ستونوں اور کالموں والے محل اور گھر، وہ پبلک حمام جو اک تہذیب کی خاص یادگار تھے، وہ صحن، وہ فوارے، وہ خوابگاہیں جن میں دادِ عیش دی جاتی تھی، جن کی آرائش فحش مجسموں، اور فحش تصویروں سے کی گئی تھی، جن میں بت تراشوں اور مصوروں نے جنسی عوامل کو کھلے طور پر نمایاں کرنے میں گویا ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی تھی!

(اور ان خوابگاہوں کو دیکھ کر میں نے سوچا:

دنیا کی بڑی بڑی تہذیبیں جب اس دور پر آ جاتی ہیں جس میں عیاشی کا دور دورہ ہوتا ہے تو ان کا فنا ہو جانا یقینی ہے۔)

ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے۔ [۳]

کسی امیر کی شبستانِ عیش میں دو لاشیں ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی تھیں۔ اسی حالت میں موت نے انھیں آن لیا تھا۔ ایک حاملہ عورت جس کا حمل کافی بڑھا ہوا تھا گھٹنوں کو اوپر اٹھائے گویا اپنے پیٹ کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی اور مارے خوف کے اس نے بازو سے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ایک کتے کا جسم موت کی بے پناہ اذیت سے بے طرح ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ اور ایک سپاہی اکڑوں بیٹھے بیٹھے مر گیا تھا۔ یہ ایک نہایت کڑیل، قوی ہیکل جوان تھا، جو شاید جنگ میں تلوار اور نیزے کے آگے سینہ سپر ہو کر آگے بڑھتا، لیکن اس آگے بڑھتے ہوئے آتشیں خدائی قہر سے اتنا خوف زدہ ہو گیا تھا کہ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔

جمے ہوئے پلاسٹر میں ثابت رکھی گئی یہ لاشیں ایک عبرتناک داستاں کہتی تھیں۔ [۵]

ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے!

تنور سے اتاری ہوئی روٹیاں پلیٹوں میں ویسی کی ویسی جل کر کوئلہ بن گئی تھیں۔کنستروں اور بوریوں میں گیہوں اور اناج کے دانے خاکِ سیاہ رہ گئے تھے۔روزمرہ زندگی کی ان چھوٹی چھوٹی چیزوں میں پامپی آئی ۷ کی ٹریجڈی اور بھی پرسوز، دردانگیز اور عبرتناک معلوم ہوتی تھی!

**مسودہ نمبر دو**

رات ۸ گہری ہو چلی تھی جب فضا میں ایک سیٹی گونجی، جہاز میں تھرتھراہٹ پیدا ہوئی اور یہ سفید، مرمریں، شفاف ۹ اطالوی جہاز میڈیٹرینین کے گہرے نیلے پانیوں کو کاٹتا ہوا نکل گیا۔

جہاز اس سرزمین کو چھوڑ رہا تھا جسے ''مغرب'' کہتے ہیں، اور ''سوئے مشرق'' روانہ ہو رہا تھا۔''مشرق'' اور ''مغرب'' یہ دو الفاظ سمت کا اشارہ کرنے کے علاوہ اور کتنے معنوں کے حامل بن گئے ہیں۔تہذیب وتمدن کا امتیاز، رنگ ونسل کا امتیاز.....صدیوں کی آقائی اور غلامی.....

لیکن یہ تو ۹ اطالیہ تھا ۱۰، اطالیہ جو یوں تو مغرب کا دروازہ ہے، لیکن مشرق سے کہیں زیادہ قریب اطالیہ، جہاں مغربی ممالک میں گھوم پھر کر آئیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم اچانک پھر مشرق میں آ گئے ہیں۔

ہم سب ڈیک پر کھڑے ہاتھ ہلا ہلا کر گویا نیپلز کو الوداع کہہ رہے تھے۔نیپلز، (ناپولی)، ''نہایت گندہ، لیکن نہایت دلچسپ شہر'' جیسا کہ ایک اطالوی نے جو ہمارے ساتھ پیرس تک سفر کر رہا تھا ہمیں ۱۱ بتایا تھا۔اور یہ مختصر الفاظ میں نیپلز کی بڑی موزوں تعریف تھی۔''گندہ لیکن نہایت دلچسپ''، بالکل مشرق کی طرح جو مغربیوں کی نظر میں تہذیبی لحاظ سے پیچھے اور گندہ ہے لیکن دلچسپ، رومانوی اور Exotic۔

''See Naples and die'' آخر نیپلز میں ایسی کیا بات تھی کہ مرنے سے پہلے ایک دفعہ دیکھ لیتے.....۱۲

ساحل پر روشنیوں کی قطار دور ہوتی جا رہی تھی۔نیپلز کی خوبصورت خلیج، پامپئی، سورنتو، کاپری سب پیچھے رہ گئے تھے۔

آتش فشاں ویسویس، اور ویسویس کے دامن میں پامپئی کے وہ قدیم کھنڈرات جو دو ہزار سال پہلے کی اس عظیم تہذیب کا پتہ دیتے تھے، جسے بپھرے ہوئے ویسویس کی اگلی ہوئی آگ اور گرم گرم لاوے نے آن کی آن میں فنا کر دیا تھا۔

وہ ایک چنگھاڑتھی آتشیں۔[ پامپئی، سورنتو، کاپری، جزیرۂ 'کیپری' جسے اطالوی 'کاپری' کہتے ہیں.....خوبصورت جزیرۂ کیپری، رومان کا مرکز.....شاہِ فاروق کا کیپری] ۱۳

نیپلز کی خوبصورت خلیج جس پر ایک ہسپانوی کاسل یوں الگ تھلگ آگے کو نکلی ہوئی تھی گویا دو پریوں کی کہانیوں کے محلوں کی طرح اچانک سمندر سے نکل آئی ہو.....

نیپلز کی خلیج، پامپئی، سورنتو، کاپری یہ سب پیچھے رہ گئے تھے،

وہ ایک چنگھاڑتھی آتشیں! ۱۴

کیا تم نے نہیں دیکھا تمھارے رب نے قومِ عاد کے ساتھ کیا کیا؛ جو ارم کہلاتے تھے اور اتنے دراز قد کہ تمام ملک میں ایسے پیدا نہیں ہوتے۔اور قومِ ثمود کے ساتھ کیا کیا جو وادیٔ قریٰ میں پتھر تراش کے مکان بناتے تھے۔

پامپئی کے پتھر میں تراشے ہوئے بڑے amphitheaters، جو پیٹر کا مندر، بڑے بڑے ستونوں اور کالموں والے محل اور گھر۔وہ پبلک حمام، وہ صحن، وہ فوارے، وہ خواب گاہیں جن میں دادِ عیش دی جاتی تھی، جن میں فحش مجسمے اور مصوری کے فحش نمونے تھے، جن میں جنسی عوامل کی تصویر کشی کی گئی تھی.....

(اوران خوابگاہوں کو دیکھ کر میں نے سوچا۔
دنیا کی بڑی بڑی تہذیبیں جب اس دور پر آجاتی ہیں، جس میں عیاشی اور decadence کا دور دورہ ہوتا ہے تو ان کا فنا ہو جانا یقینی ہے)[15]
پامپئی اور اس کی شاندار قدیم تہذیب کو ویسویس کی ایک آتشیں چنگھاڑ نے فنا کر دیا تھا۔
ڈیک ہم پر سب سے الگ تھلگ کھڑے تھے للتا اور میں۔اور اس سرزمین کو الوداع کہہ رہے تھے جسے مغرب کہتے ہیں۔ہم دونوں کے محسوسات میں اس وقت بڑا فرق تھا۔للتا کے پتلے زرد چہرے پر اداسی اور بے چینی نمایاں تھی اس نے اپنی ساری عمر یوروپ میں بتائی تھی اور اسے دکھ ہو رہا تھا کہ اب وہ اسے چھوڑ کر جا رہی ہے۔ میں بھی اداس ضرور تھی، اس لیے نہیں کہ اس سرزمین کو چھوڑ رہی ہوں، بلکہ اس لیے کہ وہاں کسی کو چھوڑ آئی ہوں لیکن مجھے ایک اطمینان اور خوشی بھی تھی کہ اپنے وطن کو لوٹ رہی ہوں۔اس وقت میں دو متضاد کیفیات سے دوچار تھی، جانے ہم کتنی دیر تک یوں ہی خاموش عرشہ پر کھڑے رہے، یہاں تک کہ سارے مسافر اپنے اپنے کیبنوں میں جا چکے اور ہم اکیلے رہ گئے تھے۔
گہرا نیلا سمندر، گہرے نیلے غار (Grottos)، مشرق کا سا بہت ہی[16] (اس جملے کے نیچے یہ لکھ کر کاٹ دیا گیا ہے: "اور مغربی ممالک کے مقابلے میں بہت ہی) صاف، ہر طرف پھیلی ہوئی وہ نیلاہٹ جسے اطالوی بڑے فخر سے "آژورے" Azure کا نام دیتے ہیں، وہ حسین مکمل نیلاہٹ! آژورے!
اس مکمل خاموشی میں ایک اعلان کی آواز گونجی۔"کل صبح آٹھ بجے ہم خاکنائے سینا سے گزریں گے.....کل صبح ہم آٹھ بجے ہم خاکنائے سینا سے گذریں گے"۔
اور للتا نے چونک کر کہا۔"چلو اب چل کر سو رہیں۔صبح جلدی اٹھیں گے اور شوور کر کے ڈریس کرنے کے بعد سیدھے ڈیک پر چلے آئیں گے۔ورنہ ہم ایک بڑا اچھا منظر مس کر لیں گے۔خاکنائے سینا اتنی تنگ ہے کہ جہاز دونوں سروں پر زمین کو چھوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔"
"اچھا پھر سونے کی تیاری کریں" ہم دونوں نیچے اپنے کیبن میں چلے آئے۔[16]
سامان کے کمرے میں سارے ٹرنک اوپر تلے یوں رکھے ہوئے تھے کہ ہمیں اپنے اپنے ٹرنک ڈھونڈ کر نکالنے میں ایک مہم سر کرنی پڑی۔[17] ہم نے شب خوابی کے لباس نکالے اور للتا حسبِ معمول باتھ روم میں گھس گئی۔نہانے کا اسے بس جنون تھا، دن میں تین دفعہ نہاتی تھی.....صبح اٹھ کر شوور کرے گی، شام کو پھر کھانے سے پہلے، پھر رات کو بھی نہائے گی.....
شوور کر کے نکھری نکھرائی سفید براق نائلون کا نائٹ گون پہنے باہر آئی۔للتا یوں تو بہت دبلی پتلی تھی، لیکن شب خوابی کے لباس میں اس کا جسم کافی متناسب معلوم ہو رہا تھا اور بغیر آستین کے برف کے سے سفید گاؤن میں اس کی سڈول چمپئی باہیں بڑی اچھی لگ رہی تھیں۔
"ارے تم ابھی تک نہیں سوئیں"۔اپنے برتھ پر لیٹتے ہوئے اس نے پوچھا۔"اچھا بھئی، تم ایلیٹ اور ٹمین سے بیٹھی الجھتی رہو۔ہم تو ابھی اپنے سپنوں کی نگری میں چلے جاتے ہیں"۔
میں نے ہنس کر کتاب بند کر دی۔اور لحاف[18] اوڑھ کر لیٹ رہی۔
"گڈ نائٹ، سویٹ ڈریمز! دوسرے برتھ سے للتا کی شوخ آواز آئی۔
"بوناناتے، ہمارے جہاز کے اطالوی میزبانوں کے اعزاز میں! بوناناتے!" میں نے جواب دیا۔[19]

میرے اطالوی زبان میں شب بخیر کا جواب اس نے فوراً فرانسیسی میں دیا۔'' بَون نُو تی''

میں نے لحاف میں سے سر نکال کر ایک اور جواب جڑ دیا۔''خٹے ناخت، سلاپ ساخت'' وہ بالکل بوکھلا گئی اس سے کسی اور زبان میں اس کا جواب دیتے نہ بن پڑا۔

''باپ رے باپ یہ کون سی زبان ہے''؟

''ڈچ ہے ڈچ، بڑی بوالعجب، کرخت زبان جس کے تقریباً ہر لفظ میں خ اور ٹ موجود ہوتا ہے۔ خٹے ناخت، سلاپ ساخت کے معنی ہیں گڈ نائٹ، سلیپ ویل''

''خٹے ناخت، سلاپ ساخت'' وہ ان الفاظ کو دہرا کر ہنستی رہی۔

اور ایک لطیفہ سنو گی للت؟ کہتے ہیں کہ کوئی انگریزی ادیب صاحب ڈچ لوگوں کو آپس میں باتیں کرتے بڑی دلچسپی سے سنتے رہے اور پھر ارشاد فرمایا۔''بخدا کیا عجیب وغریب زبان۔ میرا خیال ہے اگر جوئس نے یہ زبان سیکھی ہوتی تو انھیں 'فینیگنس وَ یک' [۲۰] کے لیے ایک نئی زبان تخلیق کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ یہ جوئس پر بھی گویا ایک طنز تھا۔ معلوم ہوتا ہے جوئس کی کتاب ان ادیب صاحب کے پلے نہ پڑی''۔

جلدی سونے کا ارادہ کر کے بھی ہم اپنے اپنے برتھوں پر لیٹے باتیں کرتے رہے۔ ایک اچھی ساتھی کی معیت میں سفر کتنی اچھی طرح کٹ جاتا ہے، للتا سی ساتھی پا کر مجھے اس کا شدید احساس ہوا۔ جانے ہم کیسے ایک دوسرے جلد گھل مل گئے تھے، حالاں کہ للتا اور میں دونوں دوستی کرنے کے معاملے میں بڑے fastidious واقع ہوئے تھے۔ لیکن اس تھوڑے سے عرصے میں ہم ایک دوسرے سے ایک عجیب سی یگانگت محسوس کرنے لگے تھے۔

للتا سیر داسنی، میری دوست، کیمبرج کی لڑکی تھی اور وہاں سے سائیکالوجی اور فلاسفی میں ٹرائی پاس کر کے واپس لوٹ رہی تھی۔

باگیسوری کا درد [۲۱] فضا میں گھل گیا۔

للت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور یہ مجھ سے بے اختیار لپٹ کر رو پڑی...... یہ باگیسوری نہیں ہے۔ باگیسوری کا تو اپنا ایک سمے ہوتا ہے۔ جب رات بہت گہری ہو جائے، بہت گہری، اس سمے باگیسوری کی تانیں [۲۲] ایک عجب تاثر پیدا کرتی ہیں۔ لیکن اب دونوں سکھیاں بچھڑ رہی ہیں [۲۳] اس لیے اس سمے یہ راگ موزوں ہے۔۔

باگیسوری، باگیسوری کا درد فضا میں گھل گیا۔ للت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔[۲۴]

''اتنے چھوٹے سے عرصے میں ہم دونوں ایک دوسرے کے کتنا قریب ہو گئے، گویا ہم جنم جنم سے ایک دوجے کو جانتے ہوں۔ جانے من [۲۵] کہاں کہاں اور کیسے کیسے مل جاتے ہیں۔ اور تم سے جدا ہوتے ہوئے مجھے یوں لگ رہا ہے گویا میں اپنی کسی بہت ہی پرانی [۲۶] بہت ہی پیاری سہیلی سے بچھڑ رہی ہوں۔ مجھے بھول تو نہیں جاؤ گی نا؟ خطوط لکھتی رہو گی نا۔ اور جب ہندوستان آؤ گی تو پھر میرے ہاں ضرور آؤ گی ورنہ...... شاید اس وقت میں میرٹھ میں اپنے ابا کی کمشنر کی کوٹھی میں نہ ہوں گی۔ شاید میں دلی میں ہوں گی۔ اور میرا اپنا ایک چھوٹا سا فلیٹ ہو گا جسے میں اپنے ذوق کے مطابق سجاؤں گی۔ اس میں میری پسند کی ساری چیزیں ہوں گی۔ یہ سارے دیوانے کیوریوز، جو میں نے یوروپ میں جمع کیے ہیں، یہ مجسمے، یہ ریمبراں، سیزانے، ماتیس اور خاخ کی تصویروں کے ریپروڈکشنز۔ ایلیٹ کی کتابیں، جس میں تمھاری دی ہوئی یہ کتاب بھی

ہوگی۔ یہ کتاب تو اب میرے لیے بہت قیمتی بن گئی ہے کیوں کہ یہ تمھارا تحفہ ہے "Murder in Cathedral" کی ادبی قیمت ویسے ہی کیا کم ہے؟ اور پھر اپنی سائیکالوجی اور فلاسفی کی ۲۷ کتابیں۔ ریڈیو گرام اور میرے ریکارڈ.....موسیقی.....بیتھوون کی سمفنیاں!

لیکن آج تو میں اپنی موسیقی سننا[۲۸] چاہتی ہوں۔ اپنے دیس کا گیت!

کیا سنیے گا؟ نٹ بہاگ کا خیال؟

جھن جھن جھن جھن پا.....

ئل موری باجے، جھن جھن جھن جھن پا.....

راگ مالکوس؟

لٹ الجھی سلجھا جارے بالم،

لٹ الجھی سلجھا.....

دلہن ہے بیٹھی سجی،

ہاتھوں میں مہندی رچی،

لٹ الجھی، سلجھا.....

جے جے ونتی

یا پھر وہ جو آپ ہی کا نام ہے، للت؟

اُف ہماری موسیقی بھی کتنی rich، کتنی اعلیٰ، کتنی مدہوش کُن ہے۔ یہ روح کو چھوتی ہے، اب تو میں اپنے سنگیت میں کھو جاؤں گی.....ایک سادہ گیت کے بول نہایت درد بھری آواز میں ابھرے۔

میں پاگل، میرا منوا پاگل، پاگل موری پریت رے،

میں پاگل،.....

پاگل کی ہنسی اڑائے،

یہ دنیا کی ریت رے.....

میں پاگل، میرا منوا پاگل،

پاگل میری پیت رے.....میں پاگل۔

میں پاگل، میرا منوا پاگل، پاگل میری پریت رے.....

اپنی موسیقی، اپنے سنگیت کے لیے للتا بے قرار ہو اُٹھی تھی۔

اور کچھ ہی دن[۲۹] کی تو بات تھی، یہی للتا اپنے سامنے ڈھیر سارے ریکارڈ پھیلائے بیٹھی تھی، حیران و پریشان کہ انھیں کسٹمز سے وہ کیسے گذار سکے گی۔ حالانکہ یہ سارے ریکارڈ پرانے تھے جو اس نے اپنے یوروپ کے اس دورانِ قیام میں خریدے تھی۔ کسٹمز کے لیے فارم بھرتی کرتے

ہوئے وہ اچانک گھبرا گئی۔''ہائے بھگوان![۳۰] میرے ریکارڈوں کا پھر کیا ہوگا''۔

جہاز کے اطالوی ملازموں کو بلوا کر اس نے ایک بہت بڑا آہنی ٹرنک کھلوایا جو مضبوط رسوں سے بندھا ہوا تھا۔اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ سارے ٹرنک میں ریکارڈ ہی ریکارڈ بھرے ہوئے تھے۔''میں نے ایک ترکیب نکالی ہے سنو شیری، اوما، ان سب پر جلدی سے اپنا نام لکھتی جاؤ''۔ پھر میں نے اور اوما نے سارے ریکارڈ نکال کر اپنے سامنے پھیلا لیے۔اور کچھ ریکارڈوں پر میں آکسفورڈ کی کوئی تاریخ لکھ کر اپنا دستخط کرتی گئی اور کچھ ریکارڈوں پر اوما لندن سے کوئی اور تاریخ دے کر اپنا نام لکھتی رہی۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ یہ ریکارڈ آکسفورڈ اور لندن سے میں نے اور اوما نے تحفتاً اسے کیمبرج بھجوائے تھے۔

میں ایک ایک ریکارڈ لے کر اپنا نام لکھتی گئی۔بیتھوون کی سمفنیاں، شوپان اور ویگنر کے نغمے، اوپراز، بیلڈز، فوک سونگس، افوہ للتا تو اپنے ساتھ ساری مغربی موسیقی سمیٹ لائی تھی۔

اور جہاز [۳۱] نے مشرق کی سرزمین کو ابھی چھوا ہی تھا کہ وہ تڑپ اٹھی''میں تو آج اپنا سنگیت سنوں گی۔اپنی موسیقی!''[۳۲]

## مسودہ نمبر تین

وہ اطالوی حسینائیں جن میں سے ہر ایک کروز اور کانٹوز[۳۳] کے اعتبار سے ایک سلوانا منگانو، جینا لولو برجیدا اور گیانا رایا کینیل اور صوفیہ لورین تھی۔[۳۴]

گویا ان میں سے ہر ایک یہ کہتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

And Pooh to Manganoo

I am so much move Italiano.

Rosana Podosta is only a second besta,

Giania Maria Cannale has reaches her finale

And Lolobrigida is so much frigida!

[۳۵] کیپری، جزیرۂ کیپری اور شاہ فاروق، شاہ فاروق اور کیپری![۳۶]

It was in the Isle of Capri that I found her .....

میں نے اسے کیپری کے جزیرے میں پایا تھا.....

وہ ایک گلاب کی طرح حسین اور شیریں تھی.....

..... ..... ..... .....

اور پھر، اور پھر میں نے دیکھا اس کی انگلی میں شادی کی ایک انگوٹھی تھی.....

# حواشی

۱۔ اس لفظ کو شیریں نے دونوں مسودوں میں الگ انداز سے لکھا ہے۔ دوسرے مسودے میں اسے ہر جگہ '' پامپی آئی'' تحریر کیا ہے۔ اس جملے کے اوپر والی سطر میں یہ عبارت لکھ کر کاٹ دی گئی ہے: '' باگیسوری کا درد فضا میں گھل گیا''

۲۔ بحیرۂ روم

۳۔ اس جملے سے فوراً پہلے وہ عبارت لکھ کر کاٹ دی گئی ہے جو اس پیراگراف کا آخری جملہ ہے : '' جمے ہوئے.................''

۴۔ پہلے خوابگاہیں لکھا اور کاٹ دیا

۵۔ یہ عبارت لکھ کر کاٹ دی گئی: '' وہ ایک چنگھاڑتھی آتشیں!

۶۔ یہ لکھ کر کاٹ دیا گیا: '' کا المیہ''

۷۔ پہلے ''رات کے ساڑھے گیارہ بجے'' لکھا گیا اور کاٹ کر یہ عبارت لکھی

۸۔ اس کے بعد یہ عبارت لکھ کر کاٹ دی گئی: ''اور نہایت حسیں''

۹۔ ''اٹلی'' لکھ کر کاٹ دیا

۱۰۔ یہ عبارت لکھی لیکن کاٹ دی: '' جسے ہم چھوڑ رہے تھے

۱۱۔ یہاں عبارت کا ایک ٹکڑا یہ تھا جو کاٹ دیا گیا: ''اور ایک ڈچ جوڑے کو''

۱۲۔ یہاں یہ عبارت نامکمل ہے

۱۳۔ اس سطر کے بعد یہ جملے لکھ کے کاٹ دیے گئے ہیں: ''میں نے اسے جزیرۂ کیپری میں پایا تھا......

وہ ایک گلاب کی طرح حسین اور شیریں تھی......

اور پھر، اور پھر میں نے دیکھا اس کی انگلی میں شادی کی انگوٹھی تھی......''

اس جملے کے اگلے صفحے کی پہلی سطر میں درج ذیل عبارت لکھ کر کاٹ دی گئی ہے

''وہی کیپری جواب شاہ فاروق سے وابستہ ہوکر رہ گیا ہے''

۱۴۔ اس سطر کے نیچے ایک جملہ لکھ کے کاٹ دیا گیا ہے: '' بے شک پروردگار کا عذاب نازل تھا''

۱۵۔ یہ عبارت لکھ کر کاٹ دی گئی ہے: '' وہ ضرور فنا ہو جاتی ہیں'') ان کا فنا ہو جانا یقینی ہے

۱۶۔ اس سطر کے نیچے یہ عبارت لکھ کر کاٹ دی گئی، یہی عبارت آگے درج ہے: ''للتا، میری دوست.................''

۱۷۔ اس کے بعد ایک قدرے بے ترتیب عبارت تھی جسے کاٹ دیا گیا ہے: ''سامان ڈھونڈنے میں کافی مہم سر کرنی پڑی۔ ڈھونڈ کر شب خوابی کے لباس نکالنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔۔ مترادف تھا

۱۸۔ یہاں بھی ایک بے ترتیب عبارت کاٹ دی گئی ہے: ''خوب لپیٹے۔۔ اوڑھ لیا۔۔ خوب لپیٹے سو رہی''

۱۹۔ اس جملے سے قبل ایک عبارت لکھ کر کاٹی گئی ہے: ''میں نے لحاف سے سر نکال کر کہا۔۔ جواب دیا''

۲۰۔ جیمس جوائس (۱۹۴۱ء۔۱۸۸۲ء) ایک آئرش مصنف ( بحوالہ: http:\ en, wikipedia. org \wiki\ James_Joyce ) اس کی تصنیف Finnegans Wake پیرس کے قیام کے دوران ۱۷ سال کے عرصے میں لکھی گئی اور ۱۹۳۹ء میں Faber and Faber ،لندن نے شائع کی ؛ یہ جوئس کی ایک مزاحیہ تصنیف ہے جو اپنے کثیر لسانی اسلوب ،شعور کی رو کی تیکنیک کے علاوہ جدت اور تجرباتی انداز کی بنا پر قائین کے عام حلقے میں پذیرائی حاصل نہ کرسکی۔(بحوالہ http:\ en, wikipedia. org \wiki\ Finnegans_Wake)

۲۱۔ ''ساری'' کالفظ لکھ کر کاٹ دیا گیا ہے

۲۲۔ سُر

۲۳۔ یہ عبارت لکھ کر کاٹ دی گئی ہے:'' اور جی چاہتا ہے یہی راگ چھیڑوں ۔ یہ راگ اس سے یہی راگ موزوں ہے ......باگیسوری''

۲۴۔ پھر یہ جملہ لکھ کر کاٹ دیا گیا ہے:''وہ پھر مجھ سے کہنے لگی''۔

۲۵۔ ''دل'' لکھ کر کاٹ دیا

۲۶۔ ''عزیز'' لکھ کر کاٹ دیا

۲۷۔ ''اتنی ڈھیر ساری'' لکھ کر کاٹ دیا گیا

۲۸۔ ''سننے کے لیے'' لکھ کر کاٹ دیا گیا ہے

۲۹۔ ''پہلے'' لکھ کر کاٹ دیا گیا ہے

۳۰۔ ''یا میرے اللہ'' لکھ کر کاٹ دیا گیا

۳۱۔ ''جیسے ہی'' لکھ کر کاٹ دیا ہے

۳۲۔ اس کے بعد یہ جملہ ادھورا چھوڑ کر کاٹ دیا گیا ہے:''ہماری موسیقی بھی واقعی کتنی ہی اعلیٰ کتنی متمول کتنی اعلیٰ''

۳۳۔ مسلسل سطر میں یہ دو لفظ لکھ کر نیچے لکیر کھینچی گئی ہے اور اس کے اوپر قوسین میں ''قوسوں اور گولائیوں'' تحریر ہے

۳۴۔ ایک علیحدہ کاغذ پر یہ عبارت اس انداز سے لکھی گئی ہے؛

وہ اطالوی حسینائیں جن میں سے ہر ایک ''کروز اور کانٹوز'' کے اعتبار سے ایک سلوانا منگانو، جینا لولو برجیدا، گیانا مرایا کینیل اور صوفیہ لورین تھی۔ گویا ان میں سے ہر ایک یہ کہتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

And Pooh to Manganoo

I am so much move Italiano.

Rosana Podosta is only a second besta,

Giania Maria Cannale has reaches her finale

And Lolobrigida is so much frigida!

۳۵۔ ''رومان کا مرکز'' لکھ کر کاٹ دیا ہے

۳۶۔ نیچے پنسل سے "رومانوں کا مرکز!" تحریر ہے

## حوالہ جات


۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، ۱۹۷۳ء، ممتاز شیریں ایک نظریاتی قتل، مشمولہ "قند" مردان، "ممتاز شیریں نمبر" و نیز نظیر صدیقی، "ہم سرحد کا سفر کر رہے ہیں"، ۱۹۷۳ء مشمولہ "اوراق"، سرگودھا، ستمبر اکتوبر

۲۔ ۱۹۷۳ء، ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے (شیریں کی نامکمل خودنوشت) مشمولہ "قند" مردان، ممتاز شیریں نمبر، اکتوبر ۱۹۷۳ء

۳۔ ممتاز شیریں، ۱۹۸۵ء، منٹو، نوری نہ ناری، کراچی، مکتبۂ اسلوب

۴۔ ۱۹۹۰ء، ظلمتِ نیم روز، کراچی، نفیس اکیڈمی

۵۔ ۲۰۰۶ء، Foot Falls Echo، کراچی، منزل اکیڈمی

۶۔ "From Heaven Astern"، ایملی برونٹے کے فن اور اس کے ناول "Wouthering Heights" پر ایک غیر مطبوعہ کتاب جس کے دس باب انھوں نے تجویز کیے اور ہر باب کا الگ الگ عنوان بھی۔ ابتدائی سات اور نواں باب تائپ کیا ہوا موجود ہے۔ آٹھواں باب ہاتھ سے لکھا ہوا ہے۔ دسواں باب شاید وہ لکھ نہ سکیں۔

۷۔ آصف فرخی، ۱۹۸۵ء، ممتاز شیریں، فن اور شخصیت، مشمولہ "منٹو نوری نہ ناری" کراچی، مکتبۂ اسلوب، ص ۱۹

۸۔ آصف فرخی ۹۹۰ء، لہو کے سراغ، مشمولہ "ظلمتِ نیم روز"، کراچی، نفیس اکیڈمی، ص ۲۱، ۲۲

۹۔ ممتاز شیریں ۱۹۵۸ء، (دیباچہ)، درِ شہوار، کراچی، مکتبۂ شعور

۱۰۔ ۱۹۵۸ء، (دیباچہ) پاپ کی نگری، لاہور، مکتبۂ خاور

۱۱۔ ۱۹۷۳ء، آئینہ خانہ (انٹرویو)، مشمولہ "قند" مردان، "ممتاز شیریں نمبر"

۱۲۔ نظیر صدیقی، ۱۹۷۳ء، ہم سرحد کا سفر کر رہے ہیں، مشمولہ "اوراق"، سرگودھا، ستمبر اکتوبر، ص ۱۸۹

۱۳۔ ممتاز شیریں، ۱۹۶۳ء، تکنیک کا تنوع۔ ناول اور افسانے میں، مشمولہ "معیار"، لاہور، نیا ادارہ، ص ۲۱

۱۴۔ ایضاً ص ۲۳

۱۵۔ عسکری، محمد حسن، ۱۹۸۹ء، تخلیق اور اسلوب، مشمولہ "تخلیقی عمل اور اسلوب"، کراچی، نفیس اکیڈمی

۱۶۔ ایضاً، استعجاب اور ادب، ایضاً ص ۵۰


## کتابیات


۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، ۱۹۷۳ء، "ممتاز شیریں ایک نظریاتی قتل"، مشمولہ "قند" مردان، "ممتاز شیریں نمبر"، اکتوبر۔

۲۔ آصف فرخی، ۱۹۹۰ء، "لہو کے سراغ"، مشمولہ "ظلمتِ نیم روز"، کراچی، نفیس اکیڈمی۔

۳۔ آصف فرخی،۱۹۸۵ء، "ممتاز شیریں ،فن اور شخصیت"،مشمولہ"منٹونوری نہ ناری" کراچی،مکتبۂ اسلوب۔
۴۔ عسکری،محمد حسن،۱۹۸۹ء، " تخلیق اور اسلوب" ،مشمولہ"تخلیقی عمل اوراسلوب"،کراچی، نفیس اکیڈمی۔
۵۔ ممتازشیریں، ۱۹۷۳ء، "ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے"(شیریں کی نامکمل خودنوشت)مشمولہ"قند"مردان، ممتازشیریں نمبر،اکتوبر۔
۶۔ ۔۔۔۔۔،۱۹۸۵ء، "منٹو،نوری نہ ناری" ،کراچی، مکتبۂ اسلوب۔
۷۔ ۔۔۔۔۔،۱۹۹۰ء، " ظلمتِ نیم روز"،کراچی،نفیس اکیڈمی۔
۸۔ ۔۔۔۔۔،۲۰۰۶ء،"Foot Falls Echo" ،کراچی،منزل اکیڈمی۔
۹۔ ۔۔۔۔۔،۱۹۵۸ء،(دیباچہ)"درِ شہوار"،کراچی، مکتبۂ شعور۔
۱۰۔ ۔۔۔۔۔،۱۹۵۸ء،(دیباچہ)"پاپ کی نگری"،لاہور، مکتبۂ خاور۔
۱۱۔ ۔۔۔۔۔،۱۹۷۳ء، "آئینہ خانہ"(انٹرویو) ،مشمولہ"قند"مردان،"ممتازشیریں نمبر"،اکتوبر۔
۱۲۔ ۔۔۔۔۔،۱۹۶۳ء، " تکنیک کا تنوع۔ ناول اور افسانے میں"،مشمولہ"معیار"،لاہور،نیاادارہ۔
۱۳۔ نظیرصدیقی،'۱۹۷۳ء، 'ہم سرحد کا سفر کر رہے ہیں"،مشمولہ"اوراق" ،سرگودھا،ستمبراکتوبر۔

---

**Abstract**

*This is an attempt to analyse the creative process of Mumtaz Shirin through the initial draft of one of her unpublished short stories. The amendments made by the author depict her conscious strife to improve the text and add stylistic variations to her writings. This analysis may be interesting for the creative writers as well as the critics of art and literature.*